عبقریوں کی ملاقات

الشیخ ندیم الجسر ــــ ترجمہ ــــ ڈاکٹر پیر محمد حسن

میں حسبِ وعدہ نمازِ عشاء کے بعد شیخ کے پاس آیا۔ دیکھا تو انہوں نے اپنے سامنے ایک بڑا ورق جو کئی خانوں میں منقسم تھا، پھیلایا ہوا تھا اور وہ اس میں متقابل جملوں کی طرف دائیں بائیں اشارہ کر رہے تھے اور ان کے نیچے خط کھینچ رہے تھے۔ اچانک میری نظر غزالی (۱) اور ابنِ طفیل (۲) اور دیگر عربی ناموں پر پڑی۔ ان کے بالمقابل کچھ فرنگی نام بھی تھے۔ میں خاموشی سے شیخ کے سامنے بیٹھ گیا تاکہ ان کے کام میں خلل انداز نہ ہوں اور اپنی کاپی تپائی پر رکھ دی۔

تھوڑی دیر کے بعد شیخ موزوں نے سر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ خوش آمدید! حیران!

میں نے کہا۔ مجھے حیران کہہ کر پکارنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ میں اس وقت اس قدر تو حیران نہیں ہوں جس

ــه عبقری۔ عربی میں جینئس (GENIUS) کو کہتے ہیں۔

(۱) ابو حامد محمد بن محمد الطوسی الشافعی الغزالی ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں پیدا ہوئے اور پچپن سال کی عمر میں ۵۰۵ھ (۱۱۱۱ء) میں وفات پائی۔ چونکہ ان کے والد سوت کات کر بیچا کرتے تھے، اس لئے انہیں الغزال یا الغزالی کہا گیا۔ امام الحرمین (م ۴۷۸ھ) سے تعلیم پائی اور ان کی زندگی ہی میں درس دینا شروع کر دیا۔ ۴۸۴ھ (۱۰۹۱ء) میں انہیں نظامیہ بغداد میں پروفیسر مقرر کیا گیا۔ ۴۸۸ھ (۱۰۹۵ء) میں ترکِ دنیا کر کے حجاز کا سفر اختیار کیا۔ واپسی پر دمشق گئے اور وہاں منارۂ دمشق میں دس سال قیام کیا۔ اس عرصہ میں انہوں نے کئی ایک تصانیف بھی کیں، جن میں سے یہاں قابلِ ذکر مقاصد الفلاسفہ اور تہافتہ الفلاسفہ ہیں۔ (اے لٹریری ہسٹری آف دی عربز: ۳۳۹ - ۳۴۰)۔

(۲) ابن طفیل۔ ابوبکر محمد بن عبدالملک بن طفیل قیسی۔ اندلس میں قادیس نامی قصبہ میں پیدا ہوئے۔ ابو یعقوب یوسف (۵۵۹ھ تا ۵۸۰ھ : ۱۱۶۳ء تا ۱۱۸۴ء) کے وزیر اور شاہی طبیب تھے۔ ۵۸۱ھ (۱۱۸۵ء) میں مراکش میں وفات پائی۔ اُن کی تصانیف میں سے حیّ بن یقظان زیادہ مشہور ہے (ترجمہ فلسفۂ اسلام: ۱۴۸)

قدر پہلے روز آپ کے پاس آتے وقت تھا۔ اگرچہ بعض اُمور میں میری فکر اُلجھ کر رہ جاتی ہے۔

شیخ:۔ مجھے معلوم ہے۔ مجھے یہ الجھاؤ بھی ضروری ہے۔ مگر میں نے تمہیں اس لئے حیران کہا کہ میں نے تمہیں جو کچھ کہ میں کر رہا ہوں، اُس پر حیرت کرتے پایا ہے۔

حیران:۔ ہاں! جب میری نگاہ اس نقشہ پر پڑی تو میں حیران ہو گیا۔ کیا پھر غزالی اور ابن طفیل کا ذکر چھڑ گیا ہے۔

شیخ:۔ ہرگز نہیں۔ یہ تو موازنہ ہے، جسے میں تمہارے لئے تیار کر رہا ہوں کہ ان مسلمانوں نے کیا کہا اور ان مغربی علماء فلسفہ نے پانچ سو سال بعد کیا کہا۔

حیران:۔ اگر میرا خیال درست ہے تو آج آپ مجھے فلسفہ کے ارتقاء (نہضہ) کے متعلق کچھ بتائیں گے۔ میں نے ایک دوست کے پاس اس نام کی ایک کتاب دیکھی تھی، جس میں موجودہ دَور کے بعض فلاسفہ کا ذکر تھا۔ میں نے وہ کتاب اس دوست سے عاریۃً لی اور لے کر جامعہ میں گیا۔ یہ کتاب مجھ پر ناراضگی کا سب سے بڑا سبب بنی۔ لوگوں نے لے کر اسے پُرزے پُرزے کر دیا کیونکہ ان کے قول کے مطابق یہ کتاب الحاد سے بھری ہوئی تھی۔

شیخ:۔ اسے فلسفہ کا ارتقاء نہ کہو۔ فلسفہ کا ارتقاء تو پہلے سے ہو چکا تھا بلکہ یوں کہو کہ مغربی اقوام کا میدانِ فلسفہ میں ارتقاء۔

حیران:۔ مجھے ان دونوں قولوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

شیخ:۔ جہاں تک یورپ اور اس تاریکی کا سوال ہے، جو تمام یورپ پر چھائی ہوئی تھی، ہم کہہ سکتے ہیں کہ یورپ میں فلسفہ کا ارتقاء ہوا بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ بڑی گہری نیند کے بعد یہ ایک بیداری تھی کہ ذہین و طباع لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اُنہوں نے اس نُور کو دیکھا، جو مشرق سے حسبِ دستور آیا تھا۔ اگر تم یوں کہو کہ مغربی اور مشرقی لوگ حق پر آ ملے تو یہ کہنا بھی بعید نہ ہو گا۔ مگر میرا یہ کہنا کہ مغربی لوگوں نے اس نُور کا بیشتر حصہ مشرقی لوگوں سے اخذ کیا، حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔

حیران:۔ تو کیا آپ مجھے ان یورپیوں کے فلسفہ کے متعلق کچھ نہ بتلائیں گے؟

شیخ:۔ کیوں نہ بتلاؤں گا۔ بالخصوص جب کہ مجھے معلوم ہے کہ ان لوگوں کی باتیں تمہیں اپنی طرف کھینچتی ہیں۔

حیران:۔ آپ نے ابھی فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے اقوال مشرقیوں سے اخذ کئے، اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ آپ ان کی حیثیت گھٹانا چاہتے ہیں تاکہ مجھے اس شک والحاد سے ہٹائے رکھیں، جو ان کے اقوال میں پایا جاتا ہے۔

شیخ:۔ تم نے کب مجھے تم سے شک کرنے والوں اور ملحدین کی رائے کو چھپاتے دیکھا ہے۔

حیران:۔ میں نے تو یہی دیکھا ہے کہ بڑے بڑے فلاسفہ میں سے جن لوگوں کی باتیں آپ نے مجھے سنائی ہیں، وہ مومن د

موحّد تھے۔

شیخ:۔ جب شک کرنے والے اور ملحد اکابر کے مقابلہ میں اصاغر میں کم تعداد میں ہوں تو میرا اس میں کیا قصور ہے۔
تم ابھی معلوم کر لو گے کہ یہ نسبت ان لوگوں میں جن کا میں ذکر کروں گا، قطعاً تبدیل نہیں ہوئی۔ باقی تمہارا یہ قول جب میں اس امر کو مرجح قرار دیتا ہوں کہ اُنہوں نے اپنی بعض باتیں مشرقی فلاسفہ سے لی ہیں، تو میں اُن کی شان کم کرتا اور اُن کی قدر گھٹاتا ہوں تو یہ خیال تمہارے ذہن میں کیسے آیا۔ فلسفہ کی تاریخ میں ایک دوسرے سے اخذ و اقتباس ایک کڑی ہے، جس کے حلقے باہم ملے ہوئے ہیں۔ چنانچہ بعد میں آنے والا اپنے پہلے والے سے اسے لیتا ہے۔ اور اس کی چھان بین کر کے جسے اس کی عقل کہہ دے کہ درست ہے، پسند کر لیتا ہے، اور باقی کو رد کر دیتا ہے۔ اب چونکہ حق روشن ہے، اس لئے اس میں عقلیں شاذ و نادر ہی اختلاف کرتی ہیں۔ ان لوگوں کا حق بات پر متفق ہو جانے کی یہی تشریح ہے، چنانچہ وجود اور توحید باری تعالیٰ میں اکثر مشرقی مسلمان فلاسفہ اور مغربی عیسائی فلاسفہ کا اتفاق ہے۔
اب خواہ یہ اتفاق ایک دوسرے سے اقتباس کی وجہ سے ہوا ہو، یا اسے حق بات پر ذہنوں کا توارد کہا جائے، ایک ہی بات ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کا میں اب ذکر کروں گا، عقل کا دفاع کرنے اور اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفاتِ کمال کے ثابت کرنے میں اُنہوں نے وہ باتیں کہی ہیں، جن سے عقل حیران ہو جاتی ہے اور سینے روشن ہو جاتے ہیں۔

حیران:۔ یہ تو ایک عجیب بات ہے۔

شیخ:۔ یہ کوئی عجیب و غریب بات نہیں۔ میں ابھی تمہیں دس بڑے اور مشہور فلاسفہ کے متعلق کچھ بتاؤں گا۔
ان میں سے صرف ایک متشکک ہے اور باقی کا تو اللہ پر ایمان ہے۔ ایک ایسا ہے جو اللہ پر تو ایمان رکھتا ہے مگر اسے سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیسے بیان کرے۔ اسی طرح تم دیکھو گے کہ اب تک مومن اور شک کرنے والوں کا تناسب ایک جیسا رہا ہے۔

حیران:۔ آپ مجھ سے کن لوگوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

شیخ:۔ تم خود ہی بتاؤ کہ ان میں سے کون کون سے لوگ تم کو پسند ہیں۔

حیران:۔ میں تو مدت سے بیکن، دیکارت، کانت، سپینوزا، برگسان اور ڈاروِن کی شہرت سنتا آیا ہوں، اور ان کے متعلق میں نے کچھ تھوڑا سا مطالعہ بھی کیا ہے۔

شیخ:۔ میں تم سے مندرجہ ذیل لوگوں کا مختصراً ذکر کروں گا۔ بیکن، دیکارت، باسکال، مالبرانش، سپینوزا، لاک، لینز، ہیوم، کانت اور برگسان۔ ڈارون کا تو خاص معاملہ ہے۔ اور تجھے معلوم ہو جائے گا کہ ان دس میں آٹھ تو ان مسلمان فلاسفہ سے جن کا ذکر میں نے تم سے کیا ہے، ایمان بالعقل، اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان اور ان دلائل پر جو اس کی ذات کو ثابت کرتے ہیں تقریباً حرف بحرف متفق ہیں۔

حیران:۔ میں نے سنا ہے کہ موجودہ فلسفہ کا بانی بیکن منطق کا قائل نہیں ہے۔ اور اس نے ارسطو پر شدید حملہ کیا ہے۔ لہذا آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ عقل کے دفاع میں وہ پہلے لوگوں کا ہم خیال ہے۔

شیخ:۔ فرنسیس بیکن نے منطقی نتائج کو باطل قرار نہیں دیا اور نہ وہ ایسا کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تو عقلِ سلیم کے احکام ہیں مگر وہ اپنے ہم نام روجر بیکن کی طرح اس بات کا قائل ہے کہ علومِ طبیعی میں تجربہ ہی واحد دلیل ہو سکتی ہے اور ارسطو کی منطق پر حملہ کرنے میں وہ اس سے بھی آگے نکل گیا ہے۔

حیران:۔ راجر بیکن کون ہے؟

شیخ:۔ کیا تو نے اس کا نام نہیں سنا۔ وہ انگریز راہب اور قرونِ وسطیٰ کا سب سے زیادہ مشہور عالم ہے۔ وہ فرنسیس بیکن سے بہت زمانہ پہلے دنیا میں آیا، جیسے نام اور وطن میں ان میں مشابہت پائی جاتی ہے، اسی طرح خیالات میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ روجر نے اس فلسفی طریقہ پر حملہ کیا جو اس کے عہد میں رائج تھا اور یہ بات برملا کہی کہ علومِ طبیعی میں تجربہ ہی واحد دلیل ہو سکتی ہے۔ اُس نے ارسطو کی منطق کو کلیتہً مسترد قرار دیا۔ یہاں تک کہ اس کی تمنا تھی کہ اگر اُسے قدرت حاصل ہو تو وہ ارسطو کی کتابوں کو جلا دے۔ اگرچہ خود اسے ہمیشہ اپنے کلام میں منطق عقلی کی ضرورت رہتی تھی۔ اُس نے خاص اُنہی اسباب کی طرف اشارہ کیا جن کے متعلق فرنسیس بیکن کہتا ہے کہ یہ ہمیں غلطی کی طرف لے جاتے ہیں۔

فرنسیس بیکن جو روجر بیکن کے دو صدی بعد آیا تاکہ یا تو وہ خود رائے کو ایجاد کرے یا اوروں کی رائے کو اپنا لے۔ اس نے بھی علم طبیعیات میں تجربہ کو مانا ہے اور ارسطو کی منطق کو بنظرِ احتقار دیکھا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے معلّمِ اوّل کو سوفسطائی قبیح کا لقب دیا ہے۔ اگرچہ اپنے ہم نام کی طرح اس منطق سے وہ بھی مستغنی نہیں ہو سکا اور اس نے بھی وہ اسباب گنائے ہیں جو ہمیں غلطی کی طرف لے جاتے ہیں اور اس نے ان اسباب کا نام بُت رکھا ہے کیونکہ ان میں اور بتوں میں یہ مشابہت پائی جاتی ہے کہ یہ ہمیں حق کی عبادت سے پھیرتے ہیں۔ یہ تقریباً وہی اسباب ہیں جن کا ذکر روجر پہلے کر چکا ہے۔

فرنسیس بیکن نے بحث کے لئے جو طریقہ اختیار کیا ہے، اس کی بنیاد مندرجہ ذیل اُمور پر ہے۔

(الف) وہ تجربہ جس کی بنیاد قطعی آزمائش اور دقیق مطالعہ ہے۔

(ب) استقرائی طریقہ (INDUCTION) کو جس میں عقل نیچے سے اوپر کو، یعنی جزئیات سے کلیات کی طرف جاتی ہے۔

اس طریقہ کی جگہ پر رکھ دیا گیا ہے جس میں عقل کلیات سے جزئیات کی طرف آتی ہے (DEDUCTION) اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ کیونکہ برہان صاعد اور برہان نازل تو قدماء کے ہاں پہلے سے ہی پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح تجربہ بھی سب سے پہلی چیز ہے، جس سے طبیعت کے حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے انسان واقف ہوتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بیکن نے اس تجربہ کو فلسفہ بنا دیا۔ اس کو منظم کیا۔ اس کے خطوط کی تعین کی۔ اس کی حدود مقرر کیں۔ اور اس کی شکلیں مقرر کر دیں۔ بحث کے طریقوں کی یہی تنظیم دنیائے فلسفہ میں اس کی شہرت کی باعث بنی۔

حیران:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نتائج نکالنے کا یہ طریقہ جس میں جزئیات سے کلیات کی طرف جاتے ہیں، اس سے امورِ طبیعیہ اور اشیاءِ حسیّہ میں بہ نسبت دوسرے طریقہ کے حقیقت تک زیادہ پہنچ سکتے ہیں، مگر ان اُمور کی معرفت پر جو ظواہرِ محسوسہ سے خارج ہیں، ہم اسے کیسے تطبیق دے سکتے ہیں۔

شیخ:۔ بیکن کی رائے ہے کہ فلسفہ کے مطالعہ کی ابتداء طبیعیات کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔ جب ہم ظواہرِ طبیعی کا مطالعہ کر چکے ہوں اور اس کے خاص قوانین سے واقف ہو چکے ہوں، تبھی یہ بات درست ہو سکتی ہے کہ ہم ان عام قوانین کے مطالعہ کی طرف منتقل ہوں جن کے تحت خاص قوانین آتے ہیں۔ اس طرح ہم ترقی کرتے کرتے ایک ایسے بڑے عام قانون تک پہنچ جاتے ہیں جس کے تحت تمام قوانین آجاتے ہیں اور ہم ان بدیہیات تک پہنچ جاتے ہیں جو ہر علم میں صحیح مانے جاتے ہیں۔ انہی بدیہیات کے ذریعہ ہم ان اعلیٰ اسباب کا مطالعہ کر سکتے ہیں، جن سے تمام عالم وجود میں آیا۔ (اور پھر ان ہی بدیہیات کے ذریعہ ہم) مابعد الطبیعیات اعلیٰ تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ فرنسیس بیکن اس فلسفیانہ بالغ نظری میں ابنِ رشد(۱) سے اتفاق رکھتا ہے۔

---

(۱) ابنِ رشد: ابوالولید محمّد بن احمد بن محمّد ابنِ رشد قرطبہ میں ۱۱۲۶ء میں پیدا ہوا۔ ۱۱۶۰ء میں اشبیلیہ کا قاضی بنا پھر قرطبہ کا۔ ضعیفی میں جلاوطن کر کے ابلیسانہ بھیج دیا گیا مراکش میں ۱۱۹۵ء میں وفات پائی۔ ابن رشد نے اپنی پوری کوشش ارسطاطالیس پر صرف کی چنانچہ اسے ارسطاطالیس کا مترجم اور شارح کہا جاتا ہے۔ یہ ارسطاطالیسی منطق کی تعریف میں جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ (اردو ترجمہ فلسفۂ اسلام: ۱۵۳-۱۶۳)۔

جو اس بات کا قائل ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے جزئیات کے مطالعہ سے انسان معرفتِ الٰہی حاصل کرتا ہے۔ نیز ان نشانیوں کے مطالعہ سے جن پر مخلوق کو برقرار رکھا گیا ہے۔ مثلاً نظم کاملہ اور قوانینِ جامعہ۔ نیز وہ ابن مسکویہ (۱) اور ابنِ طفیل سے بھی اس بات پر متفق ہے کہ خالص فلسفی تدبر کی مدد سے عقل کے ذریعہ سے یہ ممکن ہے کہ ہم اللہ کے وجود کو پالیں۔ چنانچہ وہ اپنے حکیمانہ اور مشہور قول میں کہتا ہے "جب تھوڑا سا فلسفہ اللہ سے دُوری پیدا کرتا ہو تو کثیر فلسفہ اللہ کی طرف لوٹا دیتا ہے"۔ اسی طرح راجر بیکن جب ایک مکھی کی حقیقت پر غور کرتا ہے تو اپنے ہم عصر توماس اکویناس (۲) اور قرآن کے ساتھ ایمان باللہ پر اور اس بات پر متفق ہے کہ ہم اللہ کی ذات کی کُنہ دریافت کرنے سے عاجز ہیں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے :- "علماء طبیعیات میں سے کوئی عالم بھی اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ ایک مکھی کی حقیقت اور خواص کے متعلق ہر چیز سے پورے طور پر باخبر ہو۔ چہ جائیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو معلوم کرے"۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی یہ آیت پڑھ رہا ہے :- ـــــــ یا یہا الناس ضرب مثلٌ فاستمعوا لہ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذباباً ولو اجتمعوا لہ و ان یسلبہم الذباب شیئاً لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب و المطلوب ما قدروا اللہ حق قدرہ ان اللہ لقوی عزیز۔ (لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سُن لو۔ اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہ کر سکیں گے خواہ یہ سب باہم مل کر ہی کیوں نہ بنانا چاہیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو اسے بھی چھڑا نہیں سکتے۔ طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ انہوں نے اللہ کی قدر و منزلت کو جیسا کہ حق ہے، نہیں پہچانا۔ اللہ تعالیٰ قوی و عزیز ہے۔) ـــــــ اے حیران! ان امور پر غور کرو۔

حیران :- جناب۔ یہ تو بہت بڑی بات ہے۔

شیخ :- اے حیران! تم عنقریب دیکھو گے کہ دیکارت اور دیگر فلاسفر حق پر موافقت کرنے میں اور بھی آگے نکل گئے ہیں۔ (مسلسل)

---

(۱) ابن مسکویہ : ابو علی احمد بن محمد بن یعقوب مسکویہ۔ ابن مسکویہ۔ یہ طبیب عالم لغت مؤرخ اور سلطان عضد الدولہ کا ندیم خاص اور خزینہ دار تھا۔ لمبی عمر پا کر ۱۰۳۰ء میں وفات پائی۔

(۲) توماس اکویناس۔ (۱۲۲۵ء – ۱۲۷۴ء)۔